Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کوئی معاملہ نہیں ہے،" اعجاز نے کہا۔ "اِدھر لاؤ، یہ مجھے دو۔ میں انہیں چھپوانے کے لئے لکھ رہا ہوں۔"

"کون اِسے چھاپے گا؟"

"کوئی نہ کوئی چھاپ ہی دے گا۔"

"ہاں ہاں،" سکینہ بولی، "ابھی تو گھر میں چھاپہ ہی پڑا ہے۔ اب یہ ہم سب کو جیل کی ہوا بھی کھلائے گا۔"

"چھاپہ پڑا ہے؟" سرفراز نے پُوچھا۔

"نسیمہ نے تجھے نہیں بتایا؟ چار بندے آئے اَور ایک ایک چیز اُلٹ پلٹ کر چلے گئے۔ شکر ہے اُن کے ہاتھ کچھ نہیں آیا، ورنہ ہم سب کو پکڑ کر لے جاتے۔ سارا دِن لگا کر میں نے گھر کی شکل سیدھی کی۔" سکینہ نے کہا۔

اعجاز اُس کی بات کو نظرانداز کر کے سرفراز سے بولا، "میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تُم اِس معاملے سے لاتعلق رہو۔ لاؤ، یہ کاغذ مجھے دو۔"

"ٹھیک ہے، کاغذ لے لو، مگر لالہ حق کی بات کرو، میں لاتعلق کیسے رہ سکتا ہوں؟"

"دیکھ سرفراز،" اعجاز کچھ دیر توقف سے بولا، "اب تو بچہ نہیں ہے، اَور نہ مَیں تیرا سرپرست ہُوں۔ ہمارا رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا، مگر ہماری زندگیاں الگ ہیں۔ تو حق کی بات کرتا ہے۔ تیرا حق اپنی زندگی پہ ہے، میرا حق اپنی زندگی پر۔ کیا میں غلط بات کرتا ہوں؟"

سرفراز چند لمحے تک خاموش رہا، پھر آہستہ سے بولا، "ٹھیک ہے۔"

"تو پھر بات کو یہیں چھوڑ دے۔"

"تُم کہتے ہو تو چھوڑ دیتا ہُوں۔ مگر یہ میرے لِئے مُمکن نہیں ہے۔ بہرحال، یہ تو بتاؤ کہ وہ دستاویز کیسی تھی جس کے بارے میں یہ لوگ تُمہیں پُوچھ رہے تھے؟"

"وہ بھی تُمہارے مطلب کی چیز نہیں۔"

"میرے مطلب کی کوئی چیز ہے بھی یا نہیں؟ یہ بات بھی میرے مطلب کی نہیں، وہ بات بھی میرے مطلب کی نہیں۔ تُمہارے اُوپر انتہاء درجے کا تشدد کیا گیا ہے اَور تم مجھے کسی بات میں شریک کرنا نہیں چاہتے؟"

"بس میں یہی چاہتا ہوں،" اعجاز نے کہا۔ "دیکھو، میری بات کا برا نہ مانو، تم میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہر بات میں شریک ہو، مگر اِس معاملے کو الگ رہنے دو۔"

"کیوں؟"

"تمہارے لِئے یہی بہتر ہے۔"

"میرے لِئے کیا بہتر ہے اِس کا تُمہیں پتا ہے یا کہ مجُھے پتا ہے؟ ابھی تُم نے کہا تھا کہ تُم میرے سرپرست نہیں ہو۔ تو پھر مجُھے اپنی رائے قائم کرنے کی آزادی کیوں نہیں دیتے؟"

"کیونکہ یہ میرا معاملہ ہے اَور میرا اپنا فیصلہ ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اِس میں کسی طور بھی ملوث ہو۔"

"تو اگر کل کو مجھ پر کوئی زیادتی ہو جائے تو تُم اِس میں ملوث نہیں ہوگے؟"

اعجاز نے دیکھا کہ وہ دلیل ہارتا جا رہا ہے۔ "دیکھو سرفراز،" وہ بولا، "یہ کوئی بحث کی بات نہیں ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ بہتری اسی میں ہے کہ تُمہیں اِس قصے کا علم نہ ہو۔"

"میری بہتری تُمہاری بہتری میں ہے لالہ۔ یہ قِصہ آخر ہے کیا جس کی اِتنی شدید تفتیش ہُوئی ہے؟ تُم نے کوئی بغاوت کر دی ہے؟"

اعجاز کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر تھکے ہُوئے لہجے میں بولا۔ "بغاوت ہی سمجھو۔"

"ہاں ہاں،" سکینہ بول اُٹھی۔ "اب بغاوت کر کے سب کو اندر کراؤ گے۔ بھائی کی بہتری سوچو مگر اپنے بچوں کی فکر نہ کرو۔"

"تو چپ رہ، تجُھے کچھ پتا نہیں،" اعجاز نے کہا۔

سکینہ کا صبر اب ٹوٹ گیا تھا۔ "کیوں چپ رہوں؟" وہ چیخ کر بولی، "تجُھے مجھ سے زیادہ پتا ہے؟ میں تو ٹانگیں تڑا کے نہیں آئی، تو آیا ہے۔ تجُھے تو سارے جہان کا علم ہے ناء؟"

سکینہ نے پہلی بار اِس لہجے اَور اِن الفاظ میں اعجاز کو مخاطب کیا تھا۔ مگر صاف دکھائی دیتا کہ اُس کی جان حلق میں آ گئی ہے۔ حسین گھر میں داخل ہوا۔ وہ رات کا گیا ہوا اب واپس آیا تھا۔

"تو کہاں سے آیا ہے؟" سکینہ نے اِدھر سے ہٹ کر لڑکے پر چڑھائی کر دی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کہاں گیا تھا؟ کہاں آوارہ پھرتا رہا ہے؟"

"اِدھر ہی تھا،" حسین لاپروائی سے بولا۔

"میں پُوچھتی ہوں اِدھر کدھر تھا؟"

حسین جواب دینے کی بجائے جا کر چارپائی پہ بیٹھ گیا۔ سکینہ اُس کے سر پہ جا کھڑی ہوئی۔ "بولتا کیوں نہیں۔ یہ تیرے نیفے میں کیا ہے؟"

"کچھ نہیں ہے۔"

"کیوں کچھ نہیں ہے؟ نکال۔"

"کچھ نہیں ہے،" حسین غصے سے بولا۔

لڑکے کی نظروں میں گستاخی دیکھ کر سکینہ کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ اُس نے تڑاخ سے ایک طمانچہ اس کے مُنہ پر مارا۔ ساتھ ہی وہ لڑکے کی قمیض کا دامن اُٹھا کر اُس پہ پل پڑی۔ حسین اپنے آپ کو اُس سے بچانے کی کوشش کرتا رہا مگر اُسے بھاگنے کا موقع نہ ملا۔ سکینہ نے جھپٹا مار کر اُس کے نیفے کو کھینچا تو بغچہ کھل گیا اَور اُس میں سے ایک چھوٹا سا پستول زمین پہ گر پڑا۔ سکینہ نے حسین کو دھکا دے کر ہٹایا اَور جھک کر پستول اُٹھا لیا۔

"یہ کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کس نے تجھے دیا ہے؟" وہ چیخی، "عالمگیر نے دیا ہے؟ اُس بدماش نے دیا ہے؟ وہ تجھ سے کیا کرواتا ہے؟ ڈاکے مرواتا ہے؟"

"ہم نے بدلہ لینا ہے،" لڑکا دلیری سے بولا۔

"بدلہ لینا ہے؟ کس کا بدلہ لینا ہے؟ باپ کا بدلہ لینا ہے؟"

"ہاں،" لڑکا بولا۔

"اِس سے؟" وہ پستول کو ہوا میں لہرا کر بولی، "اِس کے ساتھ تو نے پلس سے مکابلہ کرنا ہے؟ اِس سے؟ ہیں؟ اِس سے؟" یہ کہتے کہتے اُس کی اُنگلی سے پستول کی لبلبی دب گئی۔ پناخ کی آواز آئی اَور سکینہ کا ہاتھ دھچکے سے لرز گیا۔ گولی مرغیوں کے غول کے درمیان زمین میں جا کر دھنس گئی۔ مرغیاں چیختی چلائی ہُوئی چاروں طرف اُڑنے لگیں۔ اُن میں سے ایک دور جانے کی بجائے اُڑ کر سکینہ کے سامنے چارپائی پہ آ بیٹھی اَور کلاک کلاک کرنے لگی۔ سکینہ کی ماں، نسیمہ اَور سرفراز اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ اعجاز بستر پہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ سب کے چہروں پہ ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ سکینہ اپنی ہی حرکت سے خوفزدہ ہو کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھرتھر کانپ رہی تھی۔ سرفراز پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا بڑھا اور سکینہ سے ایک قدم کے فاصلے پر رُک گیا۔

"بی بی،" وہ نرم آواز میں ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "یہ مجھے دے دو۔"

سکینہ نے پستول اُس کی جانب بڑھایا، مگر اُس کے کانپتے ہُوئے ہاتھ سے چھٹ کر زمین پہ گر پڑا۔ سرفراز نے پستول اُٹھا کر اُس کا بٹن دبایا اور میگزین نکال لی۔ سکینہ کی کوک صحن میں گونج اُٹھی۔

"ہائے ئے ئے------ پہلے چور ڈاکو بدماش،" وہ روتی ہُوئی چلائی، "اب باغی۔ حکومت کے باغی۔ ہائے ئے ئے------" ماسی اور نسیمہ اُسے بازوؤں میں سمیٹ کر اندر لے گئیں۔•

اِس واقعہ کے دوران چاچا احمد اپنی جگہ پہ حقہ تھامے بیٹھا رہا۔ صرف گولی چلنے کی آواز پہ اُس نے ایک لمحے کو سر موڑ کر دیکھا، پھر حقہ گڑگڑانے لگا۔

"سکینو،" کچھ دیر کے بعد وہ بولا۔ "گھبراہٹ کو چھوڑ۔ تو پلٹس بنا۔ اجاز تندرست ہو جائے گا۔"

سرفراز نے اپنے کمرے میں جا کر پستول اور میگزین اپنی الماری میں رکھی اور اُسے تالا لگا دیا۔ پھر وہ آ کر اعجاز کی چارپائی پہ بیٹھ گیا۔ پندرہ بیس مِنٹ تک سب اپنی اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے رہے۔ دروازے پر موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی۔ عباس اور حسن اُسے لئے گھر میں داخل ہُوئے۔ موٹر سائیکل کو دیوار کے ساتھ سٹینڈ پر کھڑا کر کے عباس نے چابی لا کر اعجاز کو دی۔

"ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہمارا تو برا حال ہو گیا،" حسن نے کہا۔

"کہاں سے ملا؟"

"عجیب گھر کے پیچھے کھڑا تھا۔ مگر ٹھیک ٹھاک ہے۔"

حسن نے جا کر حسین سے نیچی آواز میں کوئی بات کی۔ حسین نے جو سر نیہوڑائے بیٹھا تھا، اُوپر دیکھے بغیر نفی میں سر ہلا دیا۔ عباس اور حسن دُوسری چارپائی پر جا بیٹھے۔

"لالہ،" سرفراز نے پُوچھا، "اخبار کا دفتر تو دُوسری طرف ہے۔ یہ تُمہیں کیسے پتا تھا کہ موٹر سائیکل اِس علاقے سے ملے گا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جب مجھے شہر میں لا کر چھوڑا تو جاتے جاتے کہنے لگے اپنا موٹر سائیکل اِس علاقے میں ڈھونڈ لینا۔" اعجاز نے اُکتائے ہُوئے لہجے میں جواب دیا۔

"اوئے باسے،" چاچا احمد بولا، "تیری چھٹی کتنی ہے؟"

"دو دِن کی باقی رہتی ہے۔"

"میں اَور تیری ماں ابھی چلے جائیں گے۔ پیچھے ڈنگروں کو دیکھنے والا کوئی نہیں۔ تو اِدھر اپنی بہن کے پاس رہ۔ جاتی دفعہ گھر سے ہو کر جانا۔"

"اچھا ابا۔"

"اور دشمن کی خبر کر۔ مجھے تو یہ مخبری کا ماملہ لگتا ہے۔ پتا کر کس نے مخبری کی ہے۔"

"اچھا ابا۔"

سکینہ اندر کمرے میں مُنہ سر لپیٹ کر چارپائی پہ لیٹی لیٹی سو گئی تھی۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چلا تھا، مگر کسی میں ہمت نہ تھی کہ مانگے، نہ ہی کسی کو بھوک نے تنگ کیا تھا۔

"لالہ،" کچھ دیر کے بعد سرفراز بولا، "اُس شخص کے بارے میں کچھ تھوڑا بہت بتا کر چھٹکارا حاصل کیوں نہیں کر لیا؟"

"کس شخص کے بارے میں؟" اعجاز نے بے خیالی سے پُوچھا۔

"وہی جس کا یہ لوگ پُوچھ رہے تھے۔"

"مجھے اُس کے بارے میں کچھ علم ہی نہیں تھا اَور نہ اب ہے۔" اعجاز نے جواب دیا۔

"تو تُم نے کیسے یہ------ یہ تحریریں کاغذات دستاویزیں جو کچھ بھی یہ ہے، کیسے اُس سے حاصل کیں؟"

"میں نے حاصل نہیں کیں۔ اُس نے خُود میرے ہاتھ میں پکڑائیں، اَور پھر یہ جا وہ جا گلیوں میں غائب ہو گیا۔ میں اُس کا نام تک نہیں جانتا، کسی کو کیا بتاتا؟"

"اُس نے کسی اَور کو یہ کیوں نہ دیئے، تُمہیں کیوں دیئے؟"

"مجھے کیا خبر؟ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اُس نے مجھ سے مخاطب ہو کر ایک یا دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملے کہے تھے، یہ کہ میں نے آپ کے مقدمے کی کاروائی دیکھی ہے، اَور یہ شاید آپ کی دلچسپی کی چیز ہو: بس۔ یہ کہہ کر اُس نے پلاسٹک کا تھیلا میرے ہاتھ میں پکڑایا اَور پلٹ کر چلا گیا۔"

"تمہیں یہ بھی یاد نہیں کہ اُس کا حلیہ کیا تھا؟"

"تھوڑا بہت یاد ہے۔"

"تو یہ لوگ اُس کا حلیہ ہی تو پُوچھ رہے تھے۔ وہ ہی بتا دیتے۔ خلاصی کروا لیتے۔"

"کیسے بتا دیتا؟"

"کیوں،" سرفراز نے کہا، "تمہیں یاد تو تھا۔"

"ہاں،" اعجاز نے جواب دیا۔ پہلی بار اُس کی آنکھوں میں ایک دور کی جھلک پیدا ہُوئی۔ "اپنی جان بچا کر اُس کی جان مصیبت میں ڈال دیتا؟"

"صرف حلیہ بتانے سے کیا ہوتا ہے۔"

"تم اِن لوگوں کو نہیں جانتے سرفراز۔ یہ جوتے کا رنگ دیکھ کر آدمی کو کھینچ نکالنے والے لوگ ہیں۔ تمہارا خیال ہے وہ دِل لگی کے لِئے حلیہ پُوچھ رہے تھے؟"

"ٹھیک ہے، بچ جاتا تو بچ جاتا، پکڑا جاتا تو اُس کی قسمت۔ کونسا تمہارا تعلق واسطے والا آدمی تھا۔"

"تعلق واسطے کی بات نہیں،" اعجاز اُسی طرح ایک تار اُسے دیکھتا ہوا بولا، "اُس نے میرے اُوپر اعتماد کیا تھا۔"

سرفراز ایک مِنٹ تک برابر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا، جیسے سوچ رہا ہو کہ کیا جواب دے۔ پھر کچھ کہے بغیر مُنہ پھیر کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"لاؤ یہ کاغذ مجھے دو،" اعجاز نے کہا۔

"دے دوں گا،" سرفراز غصے سے بولا اَور دروازے کی طرف چل پڑا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"کہیں نہیں جا رہا،" سرفراز نے مختصراً کہا اَور گھر سے نِکل گیا۔

چند مِنٹ کے بعد گلی کے سرے پر کھڑی نسیمہ کی کار کے چلنے کی آواز آئی۔ اِدھر سرفراز گھر سے نِکلا، اُدھر سائیں جلّا دروازے میں داخل ہوا۔ وہ کئی ماہ کے بعد اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھیرے سے لوٹا تھا۔

"گھر گیا تھا" وہ چاچے کے پاس چارپائی پہ بیٹھ کر بولا۔ "پتا چلا کہ اجاز کے ساتھ کوئی ماملہ ہو گیا ہے۔"

"تیرا تو میں نے فاتحہ بھی پڑھ لیا تھا، تو اُسی طرح مشٹنڈا پھر رہا ہے۔ اِتنی دیر تک کدھر بیٹھ کر بھنگ پیتا رہا ہے؟"

"میرے پیروکار مجھے آنے نہیں دیتے تھے۔" سائیں جلّا فخر سے بولا۔

"تیرے پیروکار! بھنگی چیری کے پیروکار!!"

"جلندر تک ہو کر آیا ہُوں۔ میرے پیروکار بڑے امیر ہیَں۔ اُن کے پاس موٹریں ہیَں۔"

"ہنہ! موٹریں ہیں!" چاچا احمد تحقیر آمیز لہجے میں بولا۔

"کیا ماملہ ہوا ہے؟" سائیں جلّے نے پُوچھا۔

"کوئی ماملہ نہیں ہوا۔ مخبری ہُوئی ہے۔ پتا لگا رہے ہیَں۔"

"میں اپنے مرشدوں سے مخبر کا پتا مالوم کر سکتا ہُوں۔"

"تیرے مرشدوں کو کیا خواب آ جائے گی؟"

"ہاں۔ وہ سخارہ کرتے ہیَں اَور ساری بات خواب میں صاف کھل جاتی ہے۔"

"اوئے تو یہ بے فضول باتیں چھوڑ۔ یہ بتا کہ تیرے مرشد تجھے کوئی تماکو شماکو بھی دیتے ہیَں یا سخارے ہی کرتے رہتے ہیں؟"

"لے کر آیا ہُوں۔"

"تو پھر نکال۔ کیا قبر میں لے کر جائے گا؟"

"فروزپور کا اول نمبر تماکو ہے۔"

"چل چل، ابھی پتا چل جائے گا۔"

سائیں جلّے نے اپنی پوٹلی سے ذرا سا تمباکو نکال کر ہتھیلی میں رگڑا۔ پھر اُس نے حقے کی ٹوپی اُتاری اَور چولہے کے پاس جا بیٹھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اے۔ایس۔پی شعیب کے باہر والے دفتر میں ایک انسپکٹر، ایک اے۔ایس۔آئی وردی میں، اور ایک آدمی شلوار قمیض میں میز کے گرد کچھ فائلیں کھولے بیٹھے تھے۔ آگے شعیب کا کمرہ تھا جس کا دروازہ بند تھا۔ سرفراز سیدھا اُس دروازے تک بڑھا۔ اُن تین میں سے ایک آدمی جلدی سے بولا، "ٹھہریئے ٹھہریئے جناب، آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

سرفراز نے اُس کی بات کو نظرانداز کرکے آگے قدم بڑھایا تو اے۔ایس۔آئی اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ "ایس۔پی صاحب مصروف ہیں،" وہ سرفراز کے سامنے آکر بولا، "آپ اپنا نام اندر بھیج دیں، وہ فارغ ہو کر آپ کو بلا لیں گے۔"

سرفراز ایک لمحے کو رُکا اَور اے۔ایس۔آئی کے پہلو سے نِکل کر آگے بڑھنے لگا تو تھانیدار دروازے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"جناب ایس۔پی صاحب کی سخت اِنسٹرکشن ہے کہ اُنہیں ڈِسٹرب نہ کیا جائے۔ وہ ایک سائل کے ساتھ ہیں۔" اُس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

"میں بھی مصروف ہوں،" سرفراز نے برابر کے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "میرے پاس انتظار کا وقت نہیں ہے۔ میرا نام میجر سرفراز ہے۔" تھانیدار کچھ ٹھنڈا پڑ گیا۔ "سر۔۔۔۔" اُس نے کچھ کہنے کی کوشش کی، "سر۔۔۔۔۔" مگر اتنے میں سرفراز نے ایک جانب سے ہاتھ بڑھا کر دروازے کا ہینڈل پکڑا اَور اُسے کھول دیا۔ پھر اُس نے اے۔ایس۔آئی کے شانے کے اوپر سے، جس سے وہ قد میں اونچا تھا، سر نکال کر کمرے کے اندر دیکھا۔ شعیب دروازہ کھلنے کی آواز سن کر چونک پڑا۔ وہ اپنی کرسی کی پُشت سے ٹیک لگائے، ٹانگیں میز پہ پھیلائے بیٹھا تھا۔ دفتر میں وہ اکیلا تھا اَور یوں لگتا تھا جیسے مکمل طور پر فارغ ہو۔ سرفراز کا چہرہ دیکھتے ہی وہ ٹانگیں سمیٹ کر کرسی پہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور تقریباً چلاتے ہُوئے بولا، "سرفراز!"

نوجوان تھانیدار دروازے سے ہٹ گیا۔ سرفراز میز تک پہنچا۔ شعیب نے مصافحے کے لِئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ سرفراز نے اُس سے ہاتھ ملانے کی بجائے اعجاز کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اوراق اُس کے آگے میز پر دے مارے۔ کاغذوں کا پلندہ دَھپ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میز کی ہموار سطح پر گرا اور پھسلتا ہوا میز کے کنارے تک چلا گیا۔ جسے شعیب نے آگے ہاتھ رکھ کر روکا۔

"یہ کیا ہے؟"

"پڑھ کے دیکھ لو،" سرفراز نے کہا۔

شعیب نے تحریر کو ایک نظر دیکھا، پھر کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ پھر دو چار لمحوں کے لئے اُسے پڑھا اور دوبارہ کمرے میں اپنے آگے پیچھے دیکھا۔ وہ اُس تحریر کو دھیان کے ساتھ پڑھنے کی بجائے ایک ایک نظر دیکھ کر پھر آگے پیچھے، دائیں اور بائیں دیکھتا جا رہا تھا، جیسے اُس کو کسی جانب سے کوئی خطرہ درپیش ہو۔ خلافِ معمول اُس نے سرفراز کو بیٹھنے کے لئے بھی نہ کہا۔ سرفراز جا کر کھڑکی کے آگے کھڑا ہو گیا اور باہر دیکھنے لگا۔ شعیب کے چہرے سے شدید سراسیمگی مترشح تھی۔ وہ معمول سے زیادہ بلند آواز میں بولا،

"سرفراز، یہ لالے اعجاز نے لکھا ہے؟"

"ہاں،" سرفراز نے جواب دیا۔ وہ پلٹ کر وہیں پہ دیوار سے ٹیک لگا کر، پتلون کی جیبوں میں ہاتھ دیئے کھڑا، شعیب کو پڑھتے ہوئے دیکھنے لگا۔ شعیب نے جب یہ دیکھا تو اُس نے ایک دو صفحے جلد جلد پڑھے، گو بیچ بیچ میں کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔

"ہوں ں----" وہ تحریر کو آدھے میں چھوڑ کر بولا۔ "یہ ہماری فورس کا کام نہیں ہے۔"

"کس کا ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ کوئی دُوسرے لوگ ہیں۔ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پتا لگانے کی کوشش کرونگا۔"

"کوشش کرو گے؟" سرفراز طیش میں بولا، "کوشش کرو گے؟ لالے کا جسم نیلا اور پیلا ہو گیا ہے۔ اُس کی ہڈیاں مروڑی گئی ہیں۔ اور تم ابھی کوشش کرو گے؟"

"سرفراز۔ سرفراز،" شعیب پھر غیر معمولی اُونچی آواز میں بولا۔ گویا کسی بہت دور کھڑے شخص سے مخاطب ہو۔ "یہ سیدھا سادا معاملہ نہیں۔ تم اب جاؤ۔ کول ڈاؤن۔ کل میں خود جا کر لالے سے ملونگا۔ شاید کوئی سراغ نکل آئے۔ لو" وہ کاغذات کو سرفراز کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانب بڑھا کر بولا، "اِنہیں لے جاؤ۔"

"تُم نے انہیں پڑھا تو ہے نہیں۔"

"جتنا معلوم کرنا تھا کر لیا ہے، اب پتا لگانا ہے کہ یہ قِصّہ کیا ہے۔ اِس میں کوئی اور آرگنائزیشن اِنوالو ہے۔ اب جاؤ۔ مُجھے کل تک کا وقت دو۔"

سرفراز آگے بڑھ کر کاغذ اُس کے ہاتھ سے لینے ہی والا تھا کہ دفتر کے کونے میں غسل خانے کے بند دروازے کی کنڈی اندر سے کھلنے کی آواز آئی۔ شعیب اَور سرفراز نے ایک ساتھ اُدھر دیکھا۔

سرفراز، خُدا حافظ،" شعیب چلایا۔

مگر اس کا داؤ نہ چلا۔ دروازہ کھلا اَور اندر سے نسرین لباس دُرست کرتی ہوئی بر آمد ہُوئی۔ ایک قدم باہر آ کر اُس نے سرفراز کو دیکھا اَور وہیں کی وہیں ساکت ہو گئی، جیسے زمین نے اُسے پکڑ لیا ہو۔ سرفراز مُنہ کھولے اُسے دیکھ رہا تھا۔ نسرین کے گال پہ ایک نمایاں سرخ نشان تھا، جیسے وہاں پہ جلد کو رگڑ لگی ہو۔

"تم۔۔۔،" سرفراز کے مُنہ سے نِکلا۔ "تم۔۔۔۔؟"

"یہ۔۔۔۔" شعیب نے سرفراز سے کہا، "ایک درخواست لے کر۔۔۔۔"

سرفراز کی سماعت رُک گئی تھی۔ اُس کے کان میں شعیب کے کسی کسی لفظ کی آواز آ رہی تھی۔۔۔۔ "مقدمہ۔۔۔۔ درخواست۔۔۔۔ انوسٹی گیشن۔۔۔۔۔"

نسرین اب بار بار اپنے سر پہ دوپٹہ اوڑھ رہی تھی، جیسے سرننگا ہونے سے کسی کی بے ادبی ہو رہی ہو۔ سرفراز بے اختیار اُس کی جانب بڑھا۔

"تُم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"کچھ نہیں،" نسرین نے کمزور سی آواز میں کہا۔

سرفراز نے مڑ کر ایک نظر شعیب کو دیکھا۔ پِھر ایک زوردار تھپڑ نسرین کے گال پہ مارا۔ نسرین لڑکھڑا گئی، مگر اپنے قدموں پہ کھڑی رہی۔ شعیب کرسی چھوڑ کر دو قدم آگے بڑھا، پھر رُک گیا۔ نسرین کے چہرے کا رنگ آناً فاناً تبدیل ہو گیا۔ اُس کا مُنہ رنج کے اثر سے بگڑ گیا، مگر اُس کی آنکھوں سے شعلے لپکنے لگے۔

"ہاں،" وہ اکڑ کر بولی، "مُجھے سب نے استعمال کیا ہے۔ بڈھے کرنل سے لے کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوجوان افسروں تک۔ تُم ایک اَور طمانچہ لگا دو۔ میں تو اس کی عادی ہُوں۔ مجُھے کیا فرق پڑتا ہے۔ لو۔ مارو۔" وہ ایک قدم آگے بڑھی۔ سرفراز پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اچانک وہ پلٹا اَور لمبے لمبے ڈگ بھرتا شعیب کی میز کی طرف لپکا۔ وہاں ایک لحظہ رُک کر اُس نے شعیب سے آنکھ ملائی۔

"تجھے شرم نہیں آتی؟" وہ بولا۔

"شعیب اب ایک وار سہ کر سنبھل چکا تھا۔ اُس کے چہرے پر ہلکی سی استہزائی مسکراہٹ پھیلی تھی۔ "واہ میجر صاحب، اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔"

سرفراز تلملا کر میز پہ جھپٹا اَور اعجاز کے اوراق کا پلندہ ہاتھ میں دبا کر بازو اَور ٹانگیں چھڑکاتا ہوا کمرے سے نِکل گیا۔

جب نسیمہ اُسے سٹیشن پہ چھوڑنے جا رہی تھی تو سرفراز نے سرسری طور پہ کہا، "مجُھے رینک مِل گیا ہے۔"

"ہاں،" نسیمہ آہستہ سے بولی۔ "شبو نے بتایا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حصہ ہشتم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

THERE IS PROPERLY NO

HISTORY, ONLY BIOGRAPHY

R W EMERSON

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باب 21

سوتے جاگتے خوابوں میں اُلجھا ہوا، اعجاز اَور نسرین کی اُڑتی ہُوئی جھلکیوں کو قابو میں کرنے کی سعی کرتا ہوا، میجر سرفراز جنوب کی جانب بھاگتی ہُوئی ریل گاڑی میں سفر کرتا رہا۔ ریل گاڑی کی رفتار کم ہُوئی تو گویا کسی غیر مرئی قوت نے ٹھونکا دے کر سرفراز کو جگا دیا۔ سورج کو نِکلے ہُوئے آدھ گھنٹہ ہو چکا تھا۔ سرفراز نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ رات بھر کی کسلمندی کے بعد آخری ایک گھنٹہ وہ گہری نیند سویا رہا تھا۔ وہ اُٹھ کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کھڑکی کے باہر کا منظر سندھ کی لاکھوں ایکڑ پر پھیلی ہُوئی سرزمین کا تھا جس سے وہ واقف ہو چکا تھا۔ مدہم رنگ کی سرخی مائل مٹی اَور وہی خودرَو جھاڑیوں کا جال جس پہ صبح سویرے ہی سورج تیزی سے چمک رہا تھا۔ بیچ بیچ میں ہرے رنگ کے شاداب کھیت تھے جو تیزی سے پیچھے کو دوڑتے ہُوئے مخملیں ٹکڑوں کی مانِند نظر آتے تھے، مگر ریل کی رفتار دھیمی ہو جاتی تو اُن کی فصلوں کے سبز پتے ہوا میں آہستہ آہستہ سرسراتے ہُوئے دکھائی دیتے۔ کہیں کہیں کوئی تاریک باغ نظر آ جاتا جس نے زمین کو سائے میں ڈھکا ہوا ہوتا۔ پھر وہی بھربھری مٹی اَور خودرو کرخت جھاڑیاں، اَور اُن پہ مُنہ مارتی ہُوئی بھیڑ بکریاں اَور گائیوں کے ریوڑ، جن میں سے کوئی کوئی مُنہ اٹھا کر بھاگتی ہُوئی ریل کو دیکھ رہی ہوتی تھی۔ سو کر اُٹھنے سے سرفراز کا مزاج نرم پڑ چکا تھا۔ ایک بکری کے میمنے کو دیکھتے ہوئے، جو ریل گاڑی کی جانب متوجہ تھا، سرفراز کا جی چاہا کہ ہاتھ ہلا کر اُسے خوش آمدید اَور الوداع کہے۔ مگر اُس کے ڈبے میں اب متعدد لوگ آ چڑھے تھے۔ ایک لمبا چوڑا میمن خاندان تھا جن کے چار سال کی عمر سے لے کر سولہ سال تک کے پانچ بچے تھے۔ ماں باپ اَور بچوں نے کھلے کرتے اَور تنگ تنگ سے پاجامے پہن رکھے تھے اَور میمنی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ اُوپر کی سیٹوں پر سامان رکھا تھا اَور سامان کے ساتھ دونوں سیٹوں پر ایک ایک بچہ بیٹھا تھا۔ درمیان والے دو بچے کھڑکی کے سامنے کھڑے باہر دیکھ رہے تھے۔ سرفراز کے سامنے والی سیٹ پر ماں باپ اَور چھوٹا بچہ بیٹھے تھے۔ اُسی سیٹ پر کونے میں پتلون کوٹ پہنے، ٹائی لگائے ہُوئے ایک نوجوان سکڑا سکڑایا بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ سیٹوں کی رزرویشن کا کوئی حساب نہ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرفراز کی گہری نیند کے دوران ڈبے کا نقشہ بدل چکا تھا۔ جب وہ اِس ڈبے میں سوار ہوا تھا تو اُس کے سر میں آگ بھری تھی اَور اپنی زندگی کے واقعات اُس کی آنکھوں کے سامنے سے گزُرنا شرُوع ہُوئے تھے، جیسے انسان کے آخری وقت میں دکھائی دیتے ہیں۔ مگر یاد کی اِس آمد سے اُسے کسی نہ کسی حد تک حقیقی دنیا پہ اپنی گرفت کا احساس ہوا تھا۔ پھر وہ چند مِنٹ کو اُونگھ گیا تو اُسے علم ہوا تھا کہ خوابوں پہ اَور خوابوں کی ہیئت پہ کسی صورت اُس کا قابو نہ تھا۔ آہستہ آہستہ، اُس رات کے سفر کے دوران اُس پہ یہ بات آشکار ہُوئی کہ گزُرے ہوئے اَور موجودہ اَور آنے والے نامعلوم وقت کی رفتار پہ اُس کی دسترس نہ تھی۔ گو کہ یہ صورتِ حال ہمیشہ ایسی ہی تھی مگر اِس سے پہلے نہ اُسے کبھی حقیقت کو ہاتھ تلے رکھنے کی ضرورت محسوس ہُوئی تھی اَور نہ ہی خوابوں کے ناقابل گرفت ہونے سے وہ پریشان ہوا تھا۔ اُس کے اندر اَور باہر ایک توازن تھا جسے اُس کی زندگی کے چھوٹے بڑے حادثے بگاڑ نہ سکتے تھے، یہاں تک کہ اُس کی دو سالہ نظربندی نے بھی اُس کے اندر کیلے خُون کی جو لہر دوڑا دی تھی وہ بھی نسیمہ سے اُس کی دوری اَور نسرین کی جانب ایک والہانہ اور بے جواز کشش پر ہی منتج ہُوئی تھی۔ اپنے خُون کی کڑواہٹ میں جذب ہو کر، اَور اُس سودا میں شامل ہو کر جسے اُس نے اپنے آس پاس دیکھا تھا، اپنے دِل میں اِس تنازعے سے چھٹکارا حاصل کرنے کی یہ اُس کی غیر شعوری کوشش تھی جو شعور کی سطح پر پہنچتے ہی مسمار ہو گئی تھی۔ تاہم اُس کی شخصیت کے اِنضباط کی وہ عمارت جس کی تعمیر اُنیس برس کی عمر میں ملٹری اکیڈمی کے اندر شرُوع ہُوئی تھی، اپنی بنیادوں پہ بے لرزش قائم رہی تھی۔ پچھلے ڈیڑھ دِن کے اندر جو کچھ ہو گزُرا تھا اُس نے آخر کار اُس عمارت کی دیواروں میں دراڑیں ڈال دی تھیں، گو ابھی تک وہ اپنی زمین پہ اِستادہ تھیں۔ رات بھر وہ گویا ہاتھ سے اُنہیں تھامے رہا تھا۔ پھر صبح کا ایک گھنٹہ ایسی سربستہ نیند میں گزرا تھا جس سے بیدار ہونے پر اُسے دنیا میں اپنی تازہ آمد کا احساس ہوا تھا۔ اس کے باطن کے اجزاء اب آہستہ آہستہ اِکٹھا ہونے شرُوع ہو گئے تھے۔ اب اُس کی منزل کے آنے میں ایک گھنٹے سے کم کا سفر رہ گیا تھا۔

سرفراز ہمسفروں کو دیکھ کر مسکرایا اَور اپنے ٹائیلٹ کا چھوٹا سا بیگ اُٹھا کر غسل خانے کو چل دیا۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کافی دیر تک وہاں کھڑا رہے، مگر دُوسرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسافروں کے خیال سے شیو کر کے جلد ہی فارغ ہو کر نکل آیا۔ اپنے بیگ سے اُس نے تازہ کپڑے نکالے اور دوبارہ غسل خانے میں جا کر لباس تبدیل کیا۔ پھر وہ آ کر کھڑکی کے پاس اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

سٹیشن پر اُس کے لِئے جیپ کھڑی تھی۔ سپاہی غلام رسول نے اُسے سیلوٹ کیا۔ سرفراز نے جواب دے کر سامان کے دو بیگ اُسے پکڑائے۔ جیپ روانہ ہُوئی۔

"یونٹ کا کیا حال ہے غلام رسول،" سرفراز نے پُوچھا۔

"سب ٹھیک ہے سر۔"

"مُوو کے لِئے تیاری ہے؟"

"بالکل سر۔ آڈر کا اِنتظار ہے،" ڈرائیور نے جواب دیا، پھر مناسب وقفے کے بعد پوچھا، "پیچھے سب خیر تھی سر؟"

سرفراز اپنے خیال میں تھا۔ "ہنہ؟ اوہ، ہاں،" وہ بولا، "سب خیر تھی۔"

"شکُر ہے اللہ تعالیٰ کا سر۔"

"کوئی اَور خبر، غلام رسول؟"

"سب ٹھیک ہے سر۔ کل کرنل صاحب کی اِنسپکشن تھی۔"

"مجُھے علم ہے۔ انسپکشن خیر خیریت سے گزُر گئی؟"

"جی سر۔ کرنل صاحب شاباش دے کر گئے۔"

"بہت اچھا ہوا۔ ان سے شاباش مِل جائے تو بڑی بات ہے۔"

"ہاں سر، بہت اچھے افسر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اَیسے شریف افسر سب کو نصیب کرے۔"

"ہاں،" سرفراز نے مختصراً کہا۔

فوج کے ہر شعبے کے یونٹ بلوچستان کی شورش سے نبٹنے کے لِئے بھیجے جا رہے تھے۔ دس روز کے بعد سرفراز کا بریگیڈ بھی روانہ کر دیا گیا۔ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر خضدار میں تھا۔ وہاں سے چلانگ کے علاقے میں مری قبائل سے جنگ کرنے والی فورس کی کمک کے طور پر سرفراز کا یونٹ وہاں پہنچا۔ اِس سے قبل چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہی تھیں اور چند ایک بڑے مقابلے بھی ہو چکے تھے، جن میں فوج کا اِتنی تعداد میں جانی نقصان ہوا تھا کہ آخر اعلیٰ سطح پر اِسے "ناقابل قبول" تصور کیا گیا۔ اب ایک بڑے "آپریشن" کی تیاریاں ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی تھیں۔ اس کا نام "آپریشن ماؤنٹین گوٹ" رکھا گیا تھا۔ فارمیشن میں فضائی مدد بھی حاصل تھی جس میں میراج طیارے اَور ایران سے مستعار لِئے گئے ہیلی کاپٹر "گن شپ" شامل تھے۔ سرفراز کی اپنی اِنفنٹری بٹالین تھی جس کا اپنا مارٹر یونٹ تھا۔ چملانگ کے گاؤں میں "پراریوں" کی پناہ گاہوں اَور اسلحہ کے ذخیروں کی مخبری ہُوئی تھی۔ سحری کے وقت حملہ شروع کیا گیا۔

سب سے پہلے مارٹر یونٹ سے گولہ باری کر کے ٹارگٹ کو "نرم" کیا گیا۔ اس کی آڑ میں سپاہیوں نے پہاڑوں پہ چڑھ کر گاؤں سے ذرا باہر، ایک سڑیٹجک مقام پہ پتھروں سے "پشتے" تیار کر دیئے، جن کی دیواروں کے سوراخوں میں اِنفنٹری نے مشین گنیں نصب کر دیں۔ جیسے ہی اجالا ہوا، کوبرا "گن شپ" آ گئے۔ اُنہوں نے اپنی انتہائی سبک گنوں سے سات سو پچاس فی مِنٹ کے حساب سے گاؤں پر گولیاں برسانی شُروع کر دیں۔ عورتیں، بچے اَور بوڑھے بیمار لوگ، جو مارٹر کی گولہ باری سے پہلے ہی دہشت زدہ تھے، گھروں میں دبکے رہے، باقی، کیا پراری اَور کیا عام دیہاتی، بھاگ اُٹھے۔ اُن میں بھگدڑ مچ گئی۔ "پشتوں" سے مشین گنوں کے مُنہ کھل گئے۔ اِسی دوران گاؤں سے جوابی فائر بھی آنے لگا۔ یہ فائر ایک ایک گولی والی پُرانی طرز کی رائفلوں کا تھا۔ صرف ایک آٹومیٹک ہتھیار اِستعمال ہو رہا تھا، وہ بھی ایک وقت میں چند گولیاں چلا کر رُک جاتا، جس سے فوج کو اندازہ ہوا کہ ہتھیار یا تو پُرانا تھا یا دیسی ساخت کا تھا جو چلتا چلتا اٹک جاتا یا گرم ہو جاتا تھا گوجام نہ ہوتا تھا۔ یا پھر اس کے راؤنڈ محدود تعداد میں تھے جنہیں دشمن جلدی میں ختم کرنا نہ چاہتا تھا۔ اِنٹیلی جنس کی رپورٹ کہ پراریوں کے پاس بُزوکا ٹائپ گن یا کسی بڑی توپ کا ہونا ممکن تھا، غلط ثابت ہُوئی تھی۔

جوان لڑکے اَور ادھیڑ عمر آدمی رائفلیں اُٹھائے گھروں سے بھاگتے ہُوئے نِکلتے اَور کھلی زمین پر کسی پتھر کے پیچھے یا چھونے سے گڑھے میں لیٹ کر جوابی فائر کرتے۔ پھر "گن شپ" آتے اَور اپنی تررررر کرتی ہُوئی گولیوں سے گھروں کے پتھروں پہ چنگاریاں اَور زمین پہ دھول کی لکیر اُڑاتے ہُوئے گزر جاتے۔ پتھروں اَور گڑھوں کی اوٹ میں چھپے ہُوئے لوگ ہیلی کاپٹروں کے پنکھوں کی گڑگڑ سنتے ہی اُٹھ کر بھاگ نِکلتے۔ کچھ دوڑتے اَور فائر کرتے ہُوئے ایک طرف کو مسجد کی جانب بھاگتے، کچھ واپس گھروں کو دوڑتے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے۔ ان میں سے کوئی پشتوں سے آتی ہُوئی مشین گن کی گولی کی زد میں آ جاتا تو ہوا میں بازو پھیلا کر زمین پہ گرتا اَور ڈھیر ہو جاتا۔ گھروں سے عورتوں، مردوں اَور بچوں کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ اِس علاقے کے درختوں اَور جھاڑیوں کی مخصوص خوشبو کے ساتھ بارود کی تیز بو مِل کر فضا میں بکھری تھی، جسے سونگھ سونگھ کر فوجی جوان بپھرے جا رہے تھے۔ سرفراز اپنی کمپنی کے ہمراہ کھڑا کاروائی کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس کے دائیں ہاتھ میں سٹین گن تھی۔ پاس ہی ایک سپاہی وائرلیس کا ہلکا سا سیٹ لِئے زمین پہ بیٹھا تھا۔ سرفراز کو خود فائر کرنے کی ضرورت نہ تھی، مگر وہ بھی اپنے ساتھیوں کی طرح، پراریوں کے ہاتھوں فوج کے جانی نقصان کی خبریں سن سن کر غصے اَور اِنتقام کے جذبے سے مغلوب تھا۔ اُس نے پہلے ایک برسٹ مارا تو ایک آدمی اپنی رائفل سمیت زمین پہ گر پڑا۔ سرفراز اُسے دیکھتا رہا۔ اُس شخص نے صرف ایک کروٹ لی اَور سیدھا پُشت پہ لیٹ گیا۔ اُس کے بعد اُس کے بدن میں کوئی حرکت نہ ہُوئی۔ ایک دُوسرا بھاگتا ہوا پاس سے گزُرا اور اپنے گرے ہُوئے ساتھی کی طرف توجہ دیئے بغیر، اُس کی رائفل اُٹھا کر مسجد کی جانب بھاگ نِکلا۔ ایک طرف سرفراز کو ہلکی سی مسرت کا احساس ہوا کہ اُس کا وار کاری لگا تھا، دوسری جانب یہ دیکھ کر کہ ساتھی کی جان سے زیادہ اِس شخص کو اُس کی رائفل عزیز تھی سرفراز کے دِل سے خیال گزُرا کہ یہ لوگ جنگ سے مُنہ پھیرنے والے نہیں تھے۔ اِس کے علاوہ ایک تیسرا جذبہ اُس کے اندر کارفرما تھا۔ اِتنے فاصلے سے بھی اُسے نظر آ گیا تھا کہ تقریباً سب کے بدنوں پہ میلے کچیلے کپڑے تھے اَور کئی کے پھٹے ہوئے تھے۔ پھر اِن سب باتوں کے سوا ایک چوتھا امر بھی تھا۔ اِس امر کی خاصیت ایک خودکار حرکت کی سی تھی۔ سرفراز کی اُنگلی ایک آٹومیٹک ہتھیار کی لبلبی پہ تھی اَور اُنگلی کے ایک دباؤ کے بعد دُوسرے دباؤ کو روکنا ایک دشوار عمل تھا۔ جب اُس نے دوسرے شخص کو زد میں لینے کے لِئے نالی کا رخ موڑ کر لبلبی دبائی تو برسٹ نے اُس آدمی کو مسجد کے دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی جا لیا۔ مگر سرفراز نے آخری وقت میں نالی کی نوک عمداً ٹارگٹ کے بدن کے نچلے حصے کی سیدھ میں کر دی تھی۔ ساتھ ہی اُس کے دل میں خواہش پیدا ہُوئی کہ گولیاں اُس شخص کو لگنے کی بجائے زمین میں دھنس جائیں۔ دونوں ہاتھوں میں دو رائیفلیں اُٹھائے بھاگتا ہوا آدمی دھکے سے مُنہ کے بل زمین پہ جا گرا، مگر فوراً ہی اُٹھ کر لنگڑاتا ہوا دوبارہ دوڑ اُٹھا اَور مسجد کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دروازے میں داخل ہو گیا۔ گولیاں اُس کی ٹانگ پہ لگی تھیں۔ سرفراز کو احساس ہوا گویا ایک بوجھ اُس کے سر سے اُتر گیا ہو، گو یہ محسوس کرکے دِل میں اُسے ہلکی سی شرمندگی بھی ہوئی۔ اُس نے اپنی سٹین گن کی سیفٹی چڑھائی اَور اُسے ایک پتھر کے سہارے کھڑا کر دیا۔ اُس کے بعد وہ دیوار کے ساتھ رکھے ہُوئے ایک بڑے پتھر پہ پاؤں رکھ کر اُس کے اوپر چڑھا اَور دیوار سے سر نکال کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

"سر۔۔۔۔" سکینڈ لفٹننٹ اِمتیاز تشویش سے بولا، "سر۔۔۔۔" ابھی الفاظ امتیاز کے مُنہ میں ہی تھے کہ ایک گولی "شاں" کرکے سرفراز کے کان سے تقریباً رگڑ کھاتی ہُوئی گزر گئی۔ سرفراز کو محسوس ہوا کہ اُس نے گولی کو دور سے آتے اَور اپنے پاس سے گزرتے ہُوئے دیکھا ہے۔ اُس کا سر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اُس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ گولی کے خطرے سے بے خبر وہ دیوار سے سر نکالے کھڑا رہا۔ اُسے اپنے جسم میں ایسی قوت کا احساس ہو رہا تھا جیسے وہ وہیں پہ کھڑا کھڑا جست بھر کر ہوا میں اڑنا شرُوع کر سکتا تھا۔

"سر۔۔۔" اُس نے اپنے بازو پہ کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا۔

"سر، گیٹ ڈاوَن۔"

سرفراز نے چونک کر لفٹننٹ اِمتیاز کو دیکھا اَور پتھر سے چھلانگ لگا دی۔ گولی گزُرنے کے بعد وہ بمشکل دو یا تین سکینڈ وہاں کھڑا رہا۔ مگر اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک عمر تک اُس جگہ پر ہوا میں سر اُٹھائے اُس بارود بھری بو کو سونگھتا رہا ہو۔ اُس نے اپنی سٹین گن اُٹھائی اَور اُس کا سیفٹی کیچ اتار دیا۔

"گن شپ" ہیلی کاپٹروں نے تین چار اُڑانیں لگائیں اَور کچے پکے مکانوں کے پرخچے اُڑاتے گزُر گئے۔ پھر مزید جہاز گولیاں برساتے ہُوئے آئے۔ اب میدان میں کوئی بھاگتا دوڑتا ہوا شخص نظر نہ آ رہا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اُنھوں نے پکے مورچے لگا لیۓ تھے۔ اِکا دُکا جوابی فائر آ رہا تھا۔ یہ مقابلہ تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہا۔ میدان میں ایک درجن کے قریب لاشیں پڑی تھیں۔ جب آخری بار ایک ہیلی کاپٹر اپنی ۔نوس گرڑگڑاتے آیا اَور چھوٹے چھوٹے تیز آہنی دھماکوں سے، جیسے کوئی آرا لوہے کی سلاخ پہ چل رہا ہو، گولیاں برساتا ہوا گزُر گیا اَور گھروں کے اندر سے کوئی آواز نہ آئی تو کئی مِنٹ تک دِل ہلا دینے والا مکمل سناٹا چھایا رہا۔ جوابی فائر بھی بند ہو چکا تھا۔ اچانک وائیرلیس سے تڑختی ہُوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آوازیں نکلیں، آرڈر آگے دیا گیا اور فوجیوں نے مکانوں پہ ہلہ بول دیا۔ وہ بندوقوں کے دستوں اور بوٹوں کی ٹھوکروں سے گھروں کے دروازے توڑ کر اندر داخل ہونے لگے۔ اب گھروں میں سے مردوں، عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ اِس واویلے کے درمیان فوجی، اپنی گنیں نشانے پہ تیار رکھے، مسلسل دروازے توڑ توڑ کر گھروں میں داخل ہو رہے تھے۔ جیسے جیسے تلاشی لینے والے ایک کے بعد دوسرے مکان میں آگے بڑھتے جاتے تھے، کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے مکینوں کا ملا جلا شور بلند ہوتا جا رہا تھا۔

یکایک ایک مکان کے اندر سے ایک بوڑھا معذور شخص بیساکھیوں کے سہارے چلتا ہوا نِکلا اور اِنتہائی بے خطر طور پہ اُس کھلی زمین کے درمیان میں آ کر رُک گیا۔ اُس کے بدن پہ بھی پُرانے اور میلے کپڑے تھے، گو پھٹے ہُوئے نہ تھے۔ صرف اُس کی شلوار کا ایک پائنچہ ٹخنے سے کچھ اُوپر تک اُٹھا ہوا تھا، جیسے نیفے سے مروڑ کر چڑھایا گیا ہو۔ سرفراز کو اُس کا سوجا ہوا ٹخنہ نظر آ رہا تھا، اور جہاں پنڈلی دکھائی دیتی تھی وہاں تک سوجن نمایاں تھی۔ یہ وہ ٹانگ تھی جسے وہ آدمی زمین سے اُٹھا کر رکھے ہوئے تھا اور جس کی وجہ سے وہ چلنے کے لِئے بیساکھیوں کی مدد لے رہا تھا۔ جیسے ہی وہ میدان میں رُکا اُس نے بیساکھیوں پہ اپنے آپ کو سہار کر بایاں بازو آزاد کیا۔ بازو کو ہوا میں بلند کر کے وہ مُنہ سے کچھ بولا، مگر اُس کی آواز عقب سے آتی ہُوئی گولیوں کی آواز میں دب کر رہ گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ جوابی فائر اُس کی تائید میں آیا تھا۔ فوجیوں کے پشتوں سے مشین گنوں نے دو تین بوچھاڑیں ماریں، مگر اِس احتیاط کے ساتھ کہ اُن کا نشانہ صرف اُدھر کو جائے جدھر سے فائر آیا تھا۔ گولیوں کی بوچھاڑ کے درمیان وہ بھاری بھرکم بدن اور چھوٹی چھوٹی کتری ہُوئی سفید ڈاڑھی والا آدمی اپنی جگہ سے ہلے بغیر کھڑا رہا۔ ہوا میں بلند کیا ہوا بازو اُس نے چند لمحے کو نیچے گرایا اور بیساکھی پر ٹِکا کر دوبارہ بلند کیا تو اُس کے ہاتھ میں ایک لمبی سی رائفل تھی، جو بیساکھی کے ساتھ لٹکی ہُوئی ہونے کے باعث اب سے قبل دِکھائی نہ دی تھی۔ یہ ایک ایسی کہنہ رائفل تھی جو قدیم زمانے میں، جب آتشیں ہتھیار ایجاد ہُوئے تھے، استعمال کی جاتی تھی، اور جس کے اندر، نالی کے اگلے سرے کے رستے، ایک گز کی مدد سے بارود بھرا جاتا تھا۔ اِس کی نالی لمبی اور دور مار ہوتی تھی۔ اِسے سر سے اُوپر اُٹھائے، وہ شخص اب اکیلا میدان میں کھڑا تھا